ساغرؔ خیامی

اردو کی طنزیہ مزاحیہ شاعری کا ایک زندہ نام

جناب ڈاکٹر بشیر بدرؔ صاحب

ساغرؔ خیامی پرانے لکھنؤ کے رہنے والے اور نئی دہلی میں جینے والے ایک استاد کا نام ہے۔ لکھنؤ کے جس خاندان کے وہ چشم و چراغ ہیں وہ خاندان ادبی و تہذیبی اشرافیہ کا امانت دار ہے۔ زندگی کی خوبصورت وضعداریاں پر خلوص رشتوں کا احترام ان کے مزاج میں رچا بسا ہے۔ شاعری کے اسلوب اور زبان کے لحاظ سے بھی ساغرؔ خیامی لکھنؤ کی مہکتی ہوئی عطر آمیز زبان لکھنے پر عبور رکھتے ہیں جس میں چمک دمک فارسی اور عربی الفاظ، استعارات اور علامات سے آتی ہے اپنی ایک نظم ''جنت کا خواب'' میں کہتے ہیں:

قدرت کے دست نازکی ہر چیز شاہکار
چاندی کے آبشار تھے سونے کے کوہ سار
شبنم سے تھے دھلے ہوئے گل ہائے آب دار
پھولوں پہ بھی نکھار تھا کانٹوں پہ بھی نکھار
عاشق تمام چاک گریباں سیے ہوئے
مُلا کھڑے تھے ہاتھ میں لوٹے لئے ہوئے

یہ نظم زبان اور تہذیب کا ایک حسین امتزاج ہے لیکن یہ تہذیب پرور شاعر جب اپنی نظروں سے قدروں کے عروج کو زوال کی طرف جھکتا دیکھتا ہے تو اس شعور کو چوٹ لگتی ہے اور اپنی ٹیس کو ہنستے آنسوؤں میں یوں پرو دیتا ہے۔

تھے کبھی اپنے بھی عالی شان گھر
اب فقط ٹوٹے ہوئے در، رہ گئے
کھا گیا افلاس سب فیل و فرس
مکھّیاں مچھر کبوتر رہ گئے

روایت کے زندہ و تابندہ عرفان کے بغیر شاعری میں اکھراپن اور بے تہہ ہونے کا زیادہ خطرہ رہتا ہے۔ لیکن وہ جو روایت گزیدہ اور قدامت زدہ ہوکر رہ جائے وہ بھی عصری زندگی اور ادب میں قابل قدر نہیں ہوسکتی۔

ساغرؔ خیامی زندگی اور ادب میں زندہ و تابندہ رواں روایتوں کے عاشق ہیں جو ان کا تہذیبی ورثہ ہے۔ وہ ہر لحمہ نئی زندگی کی برکتوں اور خوبیوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ ان کی تمام تر نظمیں اور قطعات میرے نزدیک اس شاعری کی زبان کا اچھا نمونہ ہیں جو ماضی کو حال سے ملاتے ہوئے مستقبل کا اشاریہ ہے۔ اس دعوے کے جواز میں ان کی مشہور مزاحیہ اور اصلاحی نظم ''قلمی بھوت'' پیش کی جاسکتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ شاعر کے کاندھوں پر معاشرے کی بہت سی ذمہ داریاں آجاتی ہیں۔ ساغرؔ نے اپنی اس نظم کو وقتی قہقہہ نہیں بنایا بلکہ اصلاح کا ایک سنگ میل قائم کیا ہے بند دیکھئے۔

انڈے کے شیمپو سے ہیں گیسو دھلے ہوئے
نظروں کے تیر دل کی طرف ہیں تلے ہوئے

آنکھوں میں ہیں شراب کے پیالے کھلے ہوئے
اور ناف تک حضور ہیں سینے کھلے ہوئے
اب کیمرے کا زور ہے یارو گلی گلی
مردہ پڑی ہوئی ہے ہماری کتھا کلی

ساغرؔ کے بہت سے مصرعے غزل اور نظم کے سنجیدہ اور شگفتہ اسلوب کا ایسا فن کارانہ نمونہ ہوتے ہیں کہ اس سے وہ لوگ بھی لطف اندوز ہو سکتے ہیں جو ہماری کلاسیکی شاعری اور پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں۔ آیئے لکھنؤ کی زبان اور اودھ کی شان کو ساغرؔ کے ''عشق بذریعہ پتنگ'' میں دیکھیں انھوں نے ''پتنگ'' کو ایک مسکراتا ہوا لہجہ دے کر نئی علامت میں ڈھالا ہے۔ پتنگ اپنے اندر بھرپور نزاکتوں کے ساتھ عروج وزوال کا ایک بولتا ہوا ''سمبل'' ہے اس سمبل کو تبسم دینے میں کلاسیکی انداز صرف اور صرف ساغرؔ کا حصہ ہے۔

کیا بیاں کیجئے قیامت کی گھڑی ہوتی تھی
سامنے آکے جو کوٹھے پہ کھڑی ہوتی تھی
زلف سینے پہ بصد ناز پڑی ہوتی تھی
آنکھ سے آنکھ محبت میں لڑی ہوتی تھی
گر ذرا دیر کو وہ آڑ میں ہٹ جاتی تھی
''پون تائی'' مری ''پے سلجی'' سے کٹ جاتی تھی

ساغرؔ خیامی کا فن غزل کی اعلیٰ سنجیدگی اور مہذب دورمندی سے بھی مکمل نہیں ہوتا بلکہ اپنے طنز ومزاح سے سماج کی جو ناہمواریاں ہیں ان کا تنقیدی تجزیہ اس طرح کرتے ہیں کہ لوگوں کو نہ تو یہ تنقید بُری لگے اور نہ ہی سچ کڑوا۔ بلکہ وہ طنز ومزاح کے شعری آئینے میں اپنا ہی کارٹون دیکھ کر مسکراتے ہوئے شاعر کے فن کی بے ساختہ داد دے اُٹھے۔

یوں پھنس گیا ہے آدمی ڈسکو کے دام میں
ڈسکو کی ہے یہ حفظ مراتب کے جام میں
تبدیلیاں یہ آئیں گی اب احترام میں
ڈسکو کریں گے باپ کو بیٹے سلام میں
اگنی کے ساتھ پھیرے نہ پنڈت پھرائیں گے
دولہا دولہن کو مولوی ڈسکو کرائیں گے

جی ہاں یہ قدروں کے ترقی یافتہ زوال کا سیلاب جو اپنے خطرے کے نشان کو چھونے ہی والا ہے لیکن ساغرؔ کی یہ نظم اس سیلاب کے لئے ایک باندھ ہے۔ میرا یقین ہے کہ جہاں جہاں یہ نظم کانوں تک پہنچے گی لوگ اس سیلاب سے باخبر ہوتے چلے جائیں گے۔

ساغرؔ خیامی کے کلام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ہی تراشیدہ، سنجیدہ خوبصورت بت کو تبسم کے تیشوں سے مسمار کردیتے ہیں۔ ان کی یہی بت شکنی اور بت گری عصر حاضر کے تمام طنز نگاروں سے الگ لے جاتی ہے۔ وہ خوبصورت شاعری اور فکر انگیز بات سے مسئلے کی سنجیدگی اور گہرائی کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور پھر عناصر اور ان افراد کا مزاحیہ خاکہ پیش کرتے ہیں جو خرابی کا اصل سبب ہیں۔ آج ملک کے حالات اور اس کی وحدت کو بانٹنے کے لئے جو پیشہ ورانہ ذہنیت پس منظر میں چھپی ہوئی ہے اس کو ساغرؔ نے ہنستے ہنستے بے نقاب کیا ہے۔

ایسی کوئی مثال زمانے نے پائی ہو
ہندو کے گھر میں آگ خدا نے لگائی ہو
بستی کسی کی رام نے یارو جلائی ہو
نانک نے صرف راہ سکھوں کو دکھائی ہو
رام و رحیم و نانک و عیسیٰ تو نرم ہیں
چمچوں کو دیکھئے تو پتیلی سے گرم ہیں

(بقیہ..........صفحہ ۴۶ پر)

روانہ ہوئے۔ ابھی الہ آباد ہی پہنچے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی۔

۵۔ جناب مولانا سابق الاوصاف والالقاب کے دیگر تلامذہ میں سے جناب سید محمد بن جناب سید باقر بخاری ہیں، جو علم وفضل، تقویٰ اور اکثر علوم خاص کر کے معقولات وغیرہ میں تبحر کے لئے مشہور ہیں۔ معاصرین کے ساتھ آنجناب کے بڑے بڑے مناظرے ہوئے ہیں اور اہل مناظرہ میں سے کوئی بھی ان پر غالب نہ آسکا۔ اخلاق پسندیدہ اور تصانیف انیقہ کے مالک ہیں۔ سنہ ۱۲۵۹ھ۔ق۔ میں مشاہد مشرفہ ائمہ علیہم السلام کی زیارت کے ارادے سے یہاں سے سفر کیا اور آج کل کربلائے معلیٰ میں ہیں۔ سنا گیا ہے کہ علمائے کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف سے شدید مناظرات پیش آئے۔

جناب کے دیگر تلامذہ کی فہرست طویل ہے جن کے تذکرے کے لئے علیٰحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہندوستان کے دیگر فضلاء اور ثقات مومنین جو فی الحال اس جگہ او ردوسری جگہوں پر موجود ہیں، سب کا سلسلہ تلمذ جناب کی ذات اقدس تک منتہی ہوتا ہے۔ بلکہ عرب وعجم جانے والوں کی اکثریت نے بھی جناب کے علوم سے فیض حاصل کیا ہے۔



بقیہ..............امام زین العابدین علیہ السلام

'شہادت' کو زینب نے 'خطبات' کو اور سید سجادؑ نے 'دعا' کو پیغام رسانی کا وسیلہ بنایا۔ سید سجادؑ نے اپنی رفتار، گفتار، خطبات، دعا اور آنسوؤں سے تحریک کی روح کو زندہ رکھا، لوگوں میں نظریاتی بیداری پیدا کی اور عظیم فرائض کی انجام دہی کے لئے زمین ہموار کی وہ بھی اس زمانے میں جب ''اقتدار'' دشمن کے ہاتھ میں تھا۔ صحیفہ کاملہ کی دعاؤں کو اسلام کی انقلابی تحریک کے نعروں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ سید سجادؑ دعاؤں کے اسلوب سے کار حسینی انجام دیتے ہیں اور یزیدوں کے لئے امن وامان کی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتے۔

باطل کو رسوا کرنے کے لئے حسینؑ نے ''خون'' کا اسلوب جنگ اپنایا، زینب نے ''خطابت'' کا اور زین العابدینؑ نے ''دعا'' کا۔



بقیہ..............ساغر خیامی

فسادات سے متعلق اس نظم میں ساغر خیامی کی حب الوطنی کا جذبہ آورشوں سے سجا ہوا ان کا اپنا ملک بہت ہی حسین لگتا ہے۔

ساغر خیامی کی شاعری کا مطالعہ یہ بات ثابت کرتا ہے کہ ساغر خیامی نظر اور نظریہ دونوں ہی رکھتے ہیں لیکن نظریئے کو وہ جس طرح فنکارانہ نظر اور شاعرانہ بصیرت سے پیش کرتے ہیں وہی ان کے اچھے شاعر اور فنکار ہونے کی دلیل ہے۔

ساغر خیامی بلاشبہ ہمارے ان ذمہ دار شاعروں ہیں جو اکبرؔ الہ آبادی سے لے کر رضا نقوی واہیؔ کے قبیلے میں اضافہ قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ ان کا اپنا اسلوب شاعرانہ مزاج وکمال ان بزرگوں سے الگ ہے۔ ساغرؔ کا منفرد اور معیاری کلام اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ بھی اس فن کی بلندیوں کو چھوتے رہیں گے اور اردو کا طنزیہ ومزاحیہ شاعری کا ایک زندہ رہ جانے والا نام ہوگا۔

